معجزات اور قرآن

از محمد حنیف

قُلۡ سُبۡحَانَ رَبِّي هَلۡ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا

اے محمدؐ، اِن سے کہو "پاک ہے میرا پروردگار! کیا میں ایک پیغام لانے والے انسان کے سوا اور بھی کچھ ہوں؟

اعتراف

فہم قرآن کے حوالے سے یہ انسانی کوشش ہے۔ جو سہو و خطا سے منزہ نہیں ہو سکتی۔ تفکر و تدبر دین کے ضمن میں اگر میرا نقطہ نظر درست ہے، تو یہ اس رب کریم کی بے پایاں نوازشات و عنایات کی وجہ سے ہے۔ اگر کہیں مجھ سے کوتاہی سرزد ہوئی ہے، تو یہ میرا انسانی سہو ہے۔ جسکے لیے میں اپنے رب کے حضور رحمت و مغفرت کا طالب ہوں۔ وہ یقیناً انسان کی نیتوں سے واقف ہے۔

انسانی شعور نے جب پہلی بار آنکھ کھولی تو اپنے ارد گرد انواع اقسام کے مظاہر فطرت کو مصروف عمل پایا سورج کی چمک، چاند کی ٹھنڈک، بادلوں کی گرج، بجلی کی کڑک، رات اور دن کا تواتر، پھلوں سے لدے درخت، بارش، سردی گرمی، آزاد گھومتے درندوں کی وحشت، زمین پر رینگتے حشرات الارض کی پھنکاریں۔۔۔۔۔

اپنے روزمرہ کے مشاہدات سے اس نے دو حقیقتوں کا ادراک کیا۔

بھوک اور خوف!!!!

بھوک کا علاج، درختوں میں لگے پھل اور بہتے پانی نے کر دیا، لیکن خوف کا علاج اس کی عقل سے بالا تھا، ایسے میں اس سے اچھا لائحہ عمل کیا ہو سکتا تھا کہ جو شئے اسے خود سے زیادہ طاقتور نظر آئی، اس کے آگے سجدہ ریز ہو گیا۔

ہمارا مشاہدہ ہے کہ انسانوں میں کچھ لوگ جسمانی طور پر زیادہ طاقتور ہوتے ہیں تو کچھ کمزور۔

اس ہی طرح کچھ لوگ سادہ و معصوم ہوتے ہیں تو کچھ ذہین و فطین!!!

تو پھر جو جسمانی طور پر زیادہ طاقتور تھے، انہوں نے دوسرے انسانوں کو اپنا مطیع و فرمابردار بنانا شروع کر دیا، اس ہی کے تسلسل میں وہ لوگ جو زیادہ ذہین و فطین تھے، انہوں نے اپنی فہم و فراست سے، اپنے ارد گرد موجود اشیاء کائنات میں سے کچھ کی حقیقت کو سمجھ لیا، اسے مسخر کر لیا، اس طرح اپنے ہم عصر لوگوں میں، ایک منفرد مقام کے مالک بن گئے۔

جس کے نتیجہ میں عام لوگ ان کے آگے بھی سجدہ ریز ہو گئے۔

ان ذہین و فطین لوگوں نے، خود کو کائناتی قوتوں کو کنٹرول کرنے والے کی حیثیت سے متعارف کروایا۔

اس طرح لوگوں میں ایک سوچ پیدا ہوئی کہ انسانوں میں کچھ انسان خاص ہوتے ہیں۔ ان کے پاس پر اسرار قوتیں ہوتی ہیں۔ یہ جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ یہ مقدس و محترم ہوتے ہیں۔

اس دور سے لے کر آج تک، انسانوں میں یہ تصور متواتر موجود ہے کہ انسانوں میں کچھ لوگ خاص ہوتے ہیں۔ منفرد ہوتے ہیں۔ ان کی انفرادیت کی دلیل، ایسے اعمال وافعال ٹھہرے جو خارق عادت ہوں۔ جو عام انسانوں کی بصیرت سے ماوراء ہوں۔ جنہیں عرف عام میں "معجزہ" کہا جاتا ہے۔

یہ ہی وہ مقام تھا جب حضرت صاحب، صوفی صاحب، مُلا، پنڈت وجود میں آئے۔

ایسی سوچوں اور نظریات کی موجودگی میں، جب خالق کائنات انسانوں کی ہدایت وراہنمائی کے لئے، کچھ لوگوں کا انتخاب کرے۔ ان کے ذریعے اپنا پیغام دوسروں تک پہنچائے، تو خالق کائنات کے منتخب کردہ ان انسانوں سے کسی خرق عادت عمل کا مطالبہ، کوئی اچھنبے کی بات تو نہیں رہتی۔

جب کوئی انسان اس بات کا اعلان کرے کہ وہ خالق کائنات کا نمائندہ ہے۔ اس کا پیغام رساں ہے۔ تو ایسے انسان کی خصوصیت کی دلیل تو یہ ہی مانگی جاسکتی تھی کہ اگر واقعی تم خالق کائنات کے منتخب کردہ ہو، اگر واقعی تمہیں خالق کائنات نے ہماری راہنمائی کے لئے بھیجا ہے، تو تمہارا عام انسانوں سے منفرد ہونا لازم ہے جس کی واحد دلیل "معجزہ" ہے۔

سب سے پہلے ہم اس لفظ "معجزہ" پر عربی لغت کی رُو سے غور کرتے ہیں۔

عربی زبان میں اس لفظ "معجزہ" کا مادہ "ع ج ز" ہے۔

اس کے معنی، کسی چیز سے پیچھے رہ جانا، کسی بات سے قاصر رہ جانا، کسی شئے کے کرنے کی طاقت نہ ہونا ہے (تاج العروس)

اس کے بنیادی معنی، کمزوری، کسی شئے کا پچھلا حصہ، پیچھے رہ جانا ہے۔ (ابن فارس)

چنانچہ قرآن کریم میں یہ لفظ "عجز" ان ہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

ہمارے یہاں عام طور پر "معجزہ" سے جو معنی و مفہوم لئے جاتے ہیں، قرآن کریم میں کہیں بھی یہ لفظ ان معنوں میں استعمال نہیں ہوا۔ اس معنی و مفہوم کے لئے قرآن کریم میں لفظ "آيَةٌ" استعمال ہوا ہے جس کے معنی، کسی پوشیدہ شئے کی ایسی نشانی ہے جس سے اس پوشیدہ شئے کو سمجھا جا سکے۔

قرآن کریم کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جب جب اللہ کریم نے انسانوں کی راہنمائی کے لئے انبیاء علیہ سلام کو مبعوث کیا ان کی قوم نے ان انبیاء علیہ سلام پر چار قسم کے اعتراضات اُٹھائے۔

1۔ تم ہمارے جیسے انسان ہو!!!

2۔ اگر خدا نے کوئی پیغام بھیجنا تھا، تو براہ راست ہم پر ہی کیوں نازل نہیں کر دیا؟؟

3۔ اگر خدا نے کوئی پیغام بھیجنا تھا، تو کسی بڑے آدمی مثلاً سرداران قوم کے توسط سے کیوں نہیں بھیجا؟ تمہیں ہی کیوں منتخب کیا؟

4۔ اگر خدا نے کوئی پیغام بھیجنا تھا، تو اس نے ہم پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اُتارا؟؟

آخر الامر وہ قوم اس بات پر آجاتی تھی کہ چلو خیر، اگر تم واقعی خدا کے پیغام رساں ہو، اس کے منتخب کردہ ہو، تو ہمارے سامنے کوئی " آيَةٌ" پیش کرو کوئی ایسا خرق عادت عمل جس سے تم عام انسانوں سے منفرد قرار پاؤ۔ کوئی ایسا عمل جو عام انسانوں کی عقل و شعور سے ماوراہو۔

یہ ہی مطالبات نبی اکرم ﷺ، سے کفار مکہ بھی شد و مد سے کرتے رہے۔

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اس کا ذکر ملتا ہے۔

قرآن کریم نے ان اعتراضات کے ضمن میں نبی اکرم ﷺ کی زبانی واضح طور پر بتایا کہ !!!

- ہاں میں تم جیسا انسان ہوں، اس فرق کے ساتھ کہ مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے۔
- خدا اپنی رحمت سے جسے چاہتا ہے اس کام کے لئے منتخب کر لیتا ہے۔ اس انتخاب میں انسان کے کسب و ہنر کا کوئی دخل نہیں۔
- چونکہ اس زمین پر انسان بستے ہیں اس لئے انسان نبی بھیجا گیا ہے اگر زمین پر فرشتے بس رہے ہوتے تو فرشتہ نبی بھیجا جاتا۔
- اگر خدا ہر انسان کو فرداً فرداً ہدایت عطا فرماتا، تو پھر ہر انسان اپنے مفاد کے حصول کے لئے اس انفرادی پیغام میں ترامیم کر کے اسے خدا سے منسوب کر دیتا، جس کا نتیجہ انتشار اور تفریق ہوتا۔ اس طرح یہ پیغام، عالمگیر نہ رہتا۔

جہاں تک تمہارے اس مطالبہ کا تعلق ہے کہ میں تمہیں کوئی ایسا عمل کر کے دکھاؤں جو انسانی فہم و فراست سے ماورا ہو، تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں معجزہ دکھاؤں، تاکہ تم مجھے خدا کا پیغامبر تسلیم کر لو، لیکن یہ تو میرا مقصود ہی نہیں ہے۔ میں تو صرف تم لوگوں کو تمہاری غلط روش کے تکلیف دہ انجام سے "آگاہ" کرنے والا ہوں۔

ارشاد فرمایا۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۗ إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرٌ ۖ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ [۱۳:۷]

اور کافر لوگ کہتے ہیں کہ اس (رسول) پر ان کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی؟ (اے رسولِ مکرّم!) آپ تو فقط (نافرمانوں کو انجامِ بد سے) ڈرانے والے اور (دنیا کی) ہر قوم کے لئے ہدایت بہم پہنچانے والے ہیں، [طاہر القادری]

کتنی بڑی حقیقت چھپی ہے ان تین الفاظ میں۔ کہا

" إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرٌ "

میں تو صرف ایک پیغامبر ہوں جو تمہیں تمہاری غلط روش کے تباہ کن انجام سے باخبر کرنے کے لئے آیا ہوں۔
بہت غور طلب بات ہے یہ۔۔
کہا کہ تم مجھ سے معجزات کا مطالبہ کر رہے ہو، کیوں؟؟
اگر میں تمہارے مطالبہ کے جواب میں ایسا کچھ کر دوں جو تم چاہتے ہو، تو پھر تم کیا کرو گے؟؟
یہی نہ کہ تم مجھے اللہ کا پیغامبر مان لوگے۔ لیکن میرا تو یہ مقصد ہی نہیں ہے۔
میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ تمہیں تمہارے غلط اعمال کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کر دوں۔ تمہیں وارننگ پہنچا دوں کہ جس روش پر تم چلے جا رہے ہو، اس کا انجام ناکامی و بربادی ہے۔ تمہیں یہ بتا دوں کہ کون سا راستہ کامیابی و کامرانی کا راستہ ہے۔ کون سا راستہ ناکامی و نامرادی کا راستہ ہے۔ یہ تو صرف تمہارے فائدہ کی بات ہے۔ میں تو تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں اور تم ہو کہ شرائط عائد کر رہے ہو کہ ایسا کر دو، ویسا کر دو، تب ہم مانیں گے۔
مزید ارشاد فرمایا۔

وَقَالُوا لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنبُوعًا [.:] أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ خِلَالَهَا تَفْجِيرًا [:] أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا [:] أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِّن زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقَىٰ فِي السَّمَاءِ وَلَن نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّىٰ تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَّقْرَؤُهُ ۗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا [۱۷:۹۳]

اور انہوں نے کہا "ہم تیری بات نہ مانیں گے جب تک کہ تو ہمارے لیے زمین کو پھاڑ کر ایک چشمہ جاری نہ کر دے، یا تیرے لیے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ پیدا ہو اور تو اس میں نہریں رواں کر دے، یا تو آسمانوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہمارے اوپر گرا دے جیسا کہ تیرا دعویٰ ہے یا خدا اور فرشتوں کو رُودر رُو ہمارے سامنے لے آئے، یا تیرے لیے سونے کا ایک گھر بن جائے یا تو آسمان پر چڑھ جائے، اور تیرے چڑھنے کا بھی ہم یقین نہ کریں گے جب تک کہ تو ہمارے اوپر ایک ایسی تحریر نہ اتار لائے جسے ہم پڑھیں" اے محمدؐ، اِن سے کہو "پاک ہے میرا پروردگار! کیا میں ایک پیغام لانے والے انسان کے سوا اور بھی کچھ ہوں؟ [ابوالاعلی مودودی]

آیت بالا، اپنے معنی و مفہوم میں بلکل واضح اور روشن ہے۔ کوئی ابہام نہیں۔ مجھے حیرت ہے کہ اس طرح کی واضح، روشن آیت مبارکہ کے ہوتے ہوئے کس طرح ایک غیر قرآنی عقیدہ، عین دین بن گیا؟؟

آیت بالا کی آخری آیت، اس غیر قرانی عقیدہ "معجزات" کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکتی ہے۔ چند الفاظ پر مشتمل یہ آیت مبارکہ، علم و آگہی کا ایک جہاں اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ بہت زیادہ توجہ کی درخواست ہے غور فرمائیں، کفار مکہ کیا مطالبات کر رہے ہیں۔ ایک ایک کر کے بیان کیا، اور پھر کیا کہا؟؟

کہا، تم جس ذہنی فتور کا شکار ہو، جس طرح کی شعبدہ بازیوں کا مطالبہ کر رہے ہو، تمہارا رب اس طرح کے سطحی اعمال سے کہیں بلند ہے۔ جو کچھ تم چاہتے ہو، یہ سب تو ایک ڈرامہ ہے، دھوکہ ہے۔ فراڈ ہے۔ کیا اس طرح کی شعبدہ بازیاں، اس رب کریم کے شایان شان ہیں، جس نے اس کائنات کو تخلیق کیا، تمہیں پیدا کیا؟؟ ہر گز نہیں۔

اور جہاں تک ہمارے اس بندے، ہمارے پیغامبر کا تعلق ہے، تو یہ تو تمہارے جیسا ایک انسان ہے، صرف ایک فرق کے ساتھ کہ اس پر وحی نازل ہوتی ہے۔ ہر وہ خوبی و کمزوری جو کسی بھی انسان میں ہو سکتی ہے اس میں بھی ہے۔ سونا، جاگنا، دکھ، سکھ، کھانا پینا، شادی بیاہ، بیوی بچے، کاروبار، موت، حیات، سارے انسانی اوصاف ہمارے اس پیغامبر میں بھی ہیں۔ یہ کوئی مافوق الفطرت ہستی نہیں ہے۔ کوئی سپر انسان نہیں ہے۔ بلکل تمہارے جیسا انسان ہے۔ جو تم کر سکتے ہو یہ بھی کر سکتا ہے۔ جو تم نہیں کر سکتے یہ بھی نہیں کر سکتا۔

اگر تمہارا یہ خیال ہے، یہ سوچ ہے کہ نبی کو انسانوں سے بالاتر کوئی مخلوق ہونا چاہیئے، اس میں کچھ خاص مخفی صلاحیتیں ہونی چاہیئے، اس کے پاس کچھ پر اسرار علوم ہونے چاہیئے، تو تمہاری یہ سوچ، تمہاری ناقص عقل کا فتور ہے۔ حقیقت کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ہم تمہیں حقائق سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں۔ حق و باطل کی سمجھ دینا چاہتے ہیں۔

صحیح اور غلط کی تفریق بتانا چاہتے ہیں مگر!!!!

عقل و شعور کی کسوٹی پر۔ تفکر و تدبر کی رو سے۔ دلیل و برھان کی بنیاد پر۔

ارشاد فرمایا۔

قُلْ هَٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ ۚ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي ۖ وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ [١٢:١٠٨]

کہہ دو میرا رستہ تو یہ ہے میں خدا کی طرف بلاتا ہوں (از روئے یقین و برہان) سمجھ بوجھ کر میں بھی (لوگوں کو خدا کی طرف بلاتا ہوں) اور میرے پیرو بھی۔ اور خدا پاک ہے۔ اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں [فتح محمد جالندھری]

رب کا پیغام، دعوت حق، مگر فکر و بصیرت کی رو سے۔ اندھی تقلید نہیں۔

ایسی آیات کی موجودگی میں، اس دعوت حق کے بارے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی کب رہ جاتی ہے۔

اس دعوت کا، اس پیغام کا، بُنیادی نقطہ ہی اسکا "علیٰ وجہ البصیرہ" ہونا ہے۔

جو کچھ کہا جارہا ہے، دلیل و برھان کی رو سے کہا جارہا ہے۔ دعوت فکر دی جارہی ہے۔ فہم و فراست، عقل و خرد، شعور و بصیرت، علم و آگہی کو متوجہ کیا جارہا ہے۔

کہا کہ میری اس دعوت پر تفکر و تدبر کرو، فہم و شعور، علم و بصیرت کی رو سے اس کا جائزہ لو۔ اگر درست لگے تو مان لو، اگر سمجھتے ہو کہ جو کچھ میں پیش کررہا ہوں، اس میں کوئی نقص ہے تو اپنے دلائل لاؤ۔

ارشاد فرمایا۔

أَمَّن يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَمَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۗ أَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ ۚ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ [٢٧:٦٤]

وہ کون ہے جو خلقت کی ابتداء کرتا ہے اور پھر اسے دوبارہ پیدا کرے گا اور کون ہے جو تمہیں آسمان وزمین سے روزی دیتا ہے؟ کیااللہ کے ساتھ کوئی اور الہ ہے؟ کہہ دیجئے کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل لاؤ۔[آیۃ اللہ محمد حسین نجفی]

کہا، جو میں کہہ رہا ہوں، دلیل وبرھان کی رو سے کہہ رہا ہوں، اگر تم میری بات سے اتفاق نہیں کرتے تو اپنے دلائل پیش کرو۔ کوئی جبر نہیں ہے۔ جو ماننا ہے دلیل وبرھان کی رو سے ماننا ہے۔ جو رد کرنا ہے، دلیل وبرھان کی رو سے کرنا ہے۔ ہمارے یہاں اندھا قانون نہیں ہے۔

نہ ہی کوئی زور زبردستی ہے ہم تو بات ہی عقل کی کرتے ہیں۔ فہم وشعور کی کرتے ہیں۔

غور فرمائیں، جس دعوت کی بنیاد ہی دلیل وبرھان ہو، جو بات کرنی ہے علم وبصیرت کے مطابق کرنی ہے۔ ایسی دعوت کے بھیجنے والے اور پہنچانے والے کے حوالہ سے "معجزات" کا ظہور۔ اس سے بڑا تضاد کیا ہو سکتا ہے؟؟؟

خدا کا پیغام تو عقل وفکر سے کام لینے والوں کے لئے ہے۔ قرآن کا مخاطب تو وہ انسان ہے جو تفکر وتدبر کرتا ہے۔ تحقیق کرتا ہے۔ غور وفکر کرتا ہے۔ سوچتا ہے۔ وہ لوگ جو عقل وفکر سے کام نہ لیں، اسے تو قرآن، کائنات کی بدترین مخلوق قرار دیتا ہے۔ ارشاد فرمایا۔

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ [٨:٢٢]

بے شک بدترین خلائق اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو بہرے ہیں گونگے ہیں جو کہ (ذرا) نہیں سمجھتے[محمد جونا گڑھی]

سب سے بدتر مخلوق، جو گونگے، بہرے بنے رہیں، تفکر وتدبر سے عاری۔ جانوروں کی زندگی۔

کہا، صرف یہ ہی نہیں کہ ایسی روش رکھنے والے، ہماری مخلوق میں سب سے بدتر ہیں، بلکہ حقیقتاً یہ جہنم کے باسی ہیں۔ جہنمی زندگی گزارتے ہیں۔ یہ جانوروں سے زیادہ راہ گم کردہ ہیں۔

کیا کرتے ہیں یہ ؟؟؟

ارشاد فرمایا۔

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ [۷:۱۷۹]

انسانوں کی اکثریت کا یہ عالم ہے کہ وہ زندگی جہنم میں گزارتے ہیں۔یعنی سینے میں دل رکھتے ہیں لیکن اس سے سوچنے سمجھنے کا کام نہیں لیتے، ان کی آنکھیں بھی ہوتی ہیں لیکن ان سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے، وہ کان بھی رکھتے ہیں لیکن ان سے سُنتے نہیں۔ یہ لوگ انسان نہیں بلکل حیوان ہوتے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ راہ گم کردہ (اس لئے کہ حیوان کم از کم اپنے جبلی تقاضوں کے مطابق تو چلتے ہیں) لیکن ایسے انسان ان حدود سے بھی بے خبر رہتے ہیں۔ (مفہوم القرآن از علامہ پرویز علیہ رحمہ)

غور فرمائیں، وہ لوگ جو عقل و شعور سے کام نہ لیں، جو فہم و فراست کا راستہ نہ اختیار کریں۔ خدا کے نزدیک ایسے انسانوں کی زندگی، جہنمی زندگی ہے۔ حیوانوں والی زندگی ہے۔ جس کا کوئی اعلیٰ مقصد ہی نہیں ہوتا۔ جن کی تگ و دو محض کھانا پینا اور تحفظ خویش ہی ہوا کرتی ہے۔

قرآن کریم کا مخاطب تفکر و تدبر کرنے والا انسان ہے۔ علم و بصیرت والا انسان ہے۔

وہ جاہلین سے الجھنے سے منع کرتا ہے۔

ارشاد فرمایا۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ [۷:۱۹۹]

اے نبیؐ، نرمی و در گزر کا طریقہ اختیار کرو، معروف کی تلقین کیے جاؤ، اور جاہلوں سے نہ الجھو[ابو الاعلی مودودی]

کیوں کہا جا رہا ہے کہ جاہلین سے نہ الجھو، کیونکہ، جاہل کے پاس نہ دلیل ہوتی ہے، نہ برھان۔

وہ اندھی تقلید کا قائل ہوتا ہے۔

عقل و فکر والا انسان ہمیشہ دلیل سے بات کرتا ہے۔ علم و بصیرت سے اپنا مدعا بیان کرتا ہے۔ وہ اگر اپنی کوئی بات منواتا ہے تو دلیل و برھان کی رو سے۔ اگر کسی بات کو مانتا ہے تو دلیل و برھان کی رو۔ اس کے پاس لٹھ ماری والا کام نہیں ہوتا۔ نہ ہی وہ کسی ایسے کام کو پسند کرتا ہے جو عقل و فکر کے منافی ہو۔ علم و بصیرت کے خلاف ہو۔

قرآن کریم تو مومنین کی صفت ہی یہ بیان کرتا ہے کہ دیگر امور دنیا تو ایک طرف، جب اس کے سامنے آیات خداوندی پیش کی جاتی ہیں تو ان پر بھی اندھا، بہرہ بن کر نہیں گر پڑتا، بلکہ فہم و فراست سے، عقل و شعور سے اسے سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔

ارشاد فرمایا۔

وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا [۲۵:۷۳]

اور (یہ) وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں ان کے رب کی آیتوں کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے تو ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گر پڑتے (بلکہ غور و فکر بھی کرتے ہیں)، [طاہر القادری]

ذرا غور فرمائیں، ہدایت نازل کرنے والے کی ہدایت کا معیار، عقل و شعور، علم و بصیرت، دلائل و برھان!!

ہدایت پہچانے والے کا معیار، کہ آیات خداوندی کو بھی اندھے بہروں کی طرح نہیں ماننا، بلکہ اس پر تفکر و تدبر بھی کرنا ہے۔

ایسے میں کسی ایسے عمل کا ارتکاب، جو عقل و شعور کے منافی ہو، فہم و فراست کو مفلوج کر دے، انسان کو اندھا، گونگا، بہرہ بنا دے، کیا یہ سوچ، یہ نظریہ قرآن کریم کی حقیقی تعلیم، اس کے بنیادی ڈھانچہ سے براہ راست متصادم نہیں ؟؟؟

قرآن کریم نے تو اپنے من جانب اللہ ہونے کی دلیل ہی یہ دی ہے کہ اس کی آیات میں باہمی طور پر کوئی تضاد نہیں۔
اگر یہ کسی انسان کا کلام ہوتا تو تضادات سے بھرپور ہوتا۔

کیا قرآن کریم کی کسی آیت کو ایسے کسی عقیدہ، کسی نظریہ کی سند کے طور پر پیش کرنا، خود قرآن کریم کے بنیادی فلسفہ سے متصادم نہیں ؟؟

قرآن کریم کی دیگر آیتوں سے متضاد نہیں ؟؟

اللہ کریم نے اس کائنات کو تخلیق کیا۔ یہ سارا کارگہ حیات، اس میں موجود ہر شئے اس کے حکم کے تابع اپنے اپنے فرائض کی ادائیگی میں مصروف عمل ہے۔ کسی کو بھی اپنے رب کے احکامات سے روگردانی کرنے کی جرات نہیں۔ نہ انہیں اس کی صلاحیت عطا کی گئی ہے۔

روئے زمین پر انسان ہی وہ واحد مخلوق ہے جسے خداوند تعالیٰ نے فہم و شعور، عقل و فکر، علم و بصیرت کی دولت عطا فرمائی اپنی مرضی کی راہ اختیار کرنے کی صلاحیت، اور اس پر چلنے کا اختیار عطا فرمایا۔

ایسے میں یہ بات انصاف کے بنیادی اصولوں کے ہی خلاف ٹھہرتی، اگر دو یا دو سے زیادہ ممکنات میں سے کسی ایک کے انتخاب کی طاقت رکھنے والے انسان کو صحیح اور غلط کے ادراک کا کوئی پیمانہ نہ دیا جاتا۔ اسے یہ نہ بتایا جاتا کہ کون سا راستہ کامیابی و کامرانی کا راستہ ہے۔ کون سا راستہ ناکامی اور نامرادی کا راستہ ہے۔

اس ہی طرح یہ بات بھی انصاف کے بنیادی اصولوں کے خلاف ٹھہرتی، اگر کسی کو عقل، شعور، فہم، فراست، بصیرت، سوچنے سمجھنے کی صلاحیت عطا فرما کر، کسی پر اسرار طریقہ سے، شعبدہ بازی سے، اس کی اس صلاحیت کو ہی مفلوج کر دیا جائے۔ اس طرح اس سے کوئی ایسی بات منوالی جائے، جو اس کا اپنا انتخاب نہ ہو، اس کا اپنا فیصلہ نہ ہو۔

قرآن کریم اس حوالے سے بہت واضح ہے۔

ارشاد فرمایا۔

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ۖ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَن يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ [٢:٢٥٦]

دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے صحیح بات غلط خیالات سے الگ چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے اب جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا، اُس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا، جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں، اور اللہ (جس کا سہارا اس نے لیا ہے) سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے [ابو الاعلیٰ مودودی]

بات بلکل واضح ہے۔ کہا ہم نے صحیح اور غلط کیا ہے، اسے بیان کر دیا ہے۔ ہم نے تمہارے سامنے دونوں راستے واضح کر دیئے ہیں۔ ایک وہ راستہ ہے جو حق کا راستہ ہے جس کا انجام کامیابیاں اور خوشگواریاں ہیں۔ دوسرا راستہ باطل کا راستہ جس کا انجام ناکامی و نامرادی ہے۔ اب فیصلہ تیرے ہاتھ ہے۔ کوئی زبردستی نہیں ہے۔ کوئی جبر نہیں۔ جو تیرا جی چاہے، وہ راستہ اختیار کر۔

دوسری جگہ فرمایا۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ ۖ فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ [١٨:٢٩]

اور کہہ دو کہ (لوگو) یہ قرآن تمہارے پروردگار کی طرف سے برحق ہے تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر رہے۔

[فتح محمد جالندہری]

مکمل اختیار!!!

دل چاہے مان لو۔ دل نہ چاہے نہ مانو۔ ہمیں کچھ فرق نہیں پڑتا۔ ہمارا کام تم تک حق کو پہنچا دینا تھا، سو ہم نے پہنچا دیا۔ اب جو اسے مان لے گا، تو اس کا فائدہ بھی اس ہی کو ہو گا۔ جو نہیں مانے گا، تو اس کا نقصان بھی وہ خود ہی اُٹھائے گا۔ ہم نے کسی سے کچھ بھی زبردستی سے نہیں منوانا۔

ارشاد فرمایا۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ ۖ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۖ وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۖ وَمَا أَنَا عَلَيْكُم بِوَكِيلٍ [١٠:١٠٨]

فرما دیجئے: اے لوگو! بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے حق آ گیا ہے، سو جس نے راہِ ہدایت اختیار کی بس وہ اپنے ہی فائدے کے لئے ہدایت اختیار کرتا ہے اور جو گمراہ ہو گیا بس وہ اپنی ہی ہلاکت کے لئے گمراہ ہوتا ہے اور میں تمہارے اوپر داروغہ نہیں ہوں (کہ تمہیں سختی سے راہِ ہدایت پر لے آؤں)، [طاہر القادری]

کھلا بیان!!!

ہم کچھ بھی زبردستی نہیں منوانا چاہتے۔

ہم چاہتے ہیں کہ اپنا فیصلہ تو خود کر۔ کیا کرنا ہے کیا نہیں کرنا۔ کیا ماننا ہے کیا نہیں ماننا۔ ہم نے از خود یہ اختیار تجھے دے رکھا ہے۔ اگر ہم نے زبردستی ہی تجھ سے کچھ منوانا ہوتا تو ہمارے لئے یہ کوئی مشکل کام ہی نہ تھا۔

ارشاد فرمایا۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ [:] إِن نَّشَأْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ آيَةً فَظَلَّتْ أَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِينَ [٢٦:٤]

(اے حبیبِ مکرّم!) شاید آپ (اس غم میں) اپنی جانِ (عزیز) ہی دے بیٹھیں گے کہ وہ ایمان نہیں لاتے، اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے (ایسی) نشانی اتار دیں کہ ان کی گردنیں اس کے آگے جھکی رہ جائیں، [طاہر القادری]

کہا، اے نبی ﷺ ، آپ ان لوگوں کے ایمان نہ لانے پر آزردہ ہیں۔ افسردہ ہیں۔ دکھی ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ اس غم میں آپ اپنی جان ہی دے دیں گے۔ لیکن آپ اس حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کریں، کہ ہم نے انسانوں کو اپنی مرضی کی راہ اختیار کرنے کی اجازت دی ہے۔ اسے اختیار دیا ہے کہ جو چاہے وہ کرے۔

ایمان لانا، نہ لانا، یہ اس کا کلی اختیار ہے۔ اس میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ اگر ہم نے زبردستی ہی کرنی ہوتی تو انہیں ایسا اختیار ہی کیوں دیتے؟؟

آج بھی اگر ہم چاہیں کہ یہ ہمارے سامنے اپنا سر جھکا دیں، تو ہمارے لئے کیا مشکل ہے کہ ہم آسمانوں سے کچھ ایسا نازل کر دیں، جسے دیکھ کر ان کی گردنیں جھک جائیں۔ یہ سارے کے سارے ایمان لے آئیں۔

مگر کیا ہم جبر کا راستہ اختیار کریں؟؟؟

مزید ارشاد فرمایا۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَن فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا ۚ أَفَأَنتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ [۱۰:۹۹]

اور اگر آپ کا رب چاہتا تو ضرور سب کے سب لوگ جو زمین میں آباد ہیں ایمان لے آتے، (جب رب نے انہیں جبراً مومن نہیں بنایا) تو کیا آپ لوگوں پر جبر کریں گے یہاں تک کہ وہ مومن ہو جائیں، [طاہر القادری]

دوستو!!!

بس اس ایک آیت مبارکہ پر ٹھہر جائیں۔ بغیر کسی سابقہ عقیدہ کو ذہن میں جگہ دیئے، غور و فکر فرمائیں۔

کیا کہہ رہا ہے قرآن!!!

کہا کہ اگر تمہارا رب یہ چاہتا، اگر اس کی یہ خواہش ہوتی، اس کا یہ مطمع نظر ہوتا، اس کا یہ ہی مقصود و منتہا ہوتا کہ روئے زمین پر موجود ہر انسان مجبور محض بن کر، اللہ پر ایمان لے آئے، تو اس رب کے لئے کیا مشکل تھا کہ وہ ان سب کو پیدا ہی ایسا کر دیتا، کہ انکار کی صلاحیت ہی نہ ہوتی۔

کہا کہ کائنات پر غور کرو، اس میں موجود ایک ایک شئے پر نظر ڈالو، بار بار ڈالو، کیا تم نہیں دیکھتے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ، اپنے رب کے بتائے ہوئے پروگرام پر مصروف عمل ہے۔ کسی کو معصیت کی مجال نہیں۔ کسی کو اختیار ہی نہیں کہ اپنی مرضی کرے۔ سب کے سب تابع و فرمابردار ہیں۔

اگر ہم چاہتے تو انسان کو بھی مجبور محض پیدا کر دیتے۔

پابند و غلام۔

پھر وہ ہمارے حکم سے روگردانی نہ کر سکتا۔ مگر ہم نے ایسا نہیں کیا۔

کیونکہ ہماری مشیت، ہمارا پروگرام کچھ اور ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ انسان ہماری ہدایت کو پورے تفکر و تدبر کے بعد، حق اور سچ مان کر اس پر عمل کرے۔ ہم چاہتے ہیں کہ وہ اپنی فہم و فراست سے ہماری نازل کردہ راہنمائی کو پرکھے۔ اگر مطمئین ہو، تو اس پر عمل کرے۔ نہ مطمئین ہو تو نہ کرے۔ ہم زبردستی کچھ بھی نہیں منوانا چاہتے۔

غور فرمایا آپ نے۔ کتنا بلیغ پیغام ہے۔ کتنا مضبوط استدلال ہے۔

اب ایسے مضبوط استدلال کے ہوتے ہوئے، اس ہی نازل کردہ پیغام کی کچھ آیات سے ایسا کوئی مفہوم پیش کیا جائے، جس کی رو سے، اس خدا کے بھیجے گئے پیغامبر "معجزات" دکھا، کر انسانوں کی عقل و فکر کو معطل کر دیں۔ ان کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو ماؤف کر دیں۔ ان کی بصیرت کو جہل و تقلید کے اندھیروں میں غرق کر دیں۔ ان کے شعور کو بے بس کر دیں اور پھر اس کیفیت میں ان سے اپنی مرضی کی بات منوالیں!!

کیا یہ عمل اس رب کریم کا منشاء و مطلوب ہو سکتا ہے؟؟

کیا وہ رب (معاذ اللہ) اپنی ذات کو منوانے کے لئے اس درجہ پست ذہنیت کا مظاہرہ کر سکتا ہے؟؟

کیا یہ ہی خالق کائنات کی شان کہلائی جا سکتی ہے؟؟

نہیں ہر گز نہیں!!!

یقیناً میرا رب، انسانی وہم و گمان، سوچ و خیال سے کہیں زیادہ افضل و برتر ہے۔

یہ ہی وجہ ہے کہ جب بھی کسی قوم نے اپنے نبی سے اس طرح کے "معجزات" کا مطالبہ کیا، سب نے ایک زبان ہو کر جواب دیا کہ ہم تمہارے جیسے انسان ہیں۔ ہمارے پاس کوئی مافوق الفطرت قوتیں نہیں ہیں۔ نہ ہمیں غیب کا علم ہے۔ ہم تو بس اس رب کریم کے پیغام رساں ہیں۔ جو کچھ وہ ہمیں بتا دیتا ہے، اس سے زیادہ ہم کچھ نہیں جانتے۔

یہ ہی جواب حضور اکرم ﷺ نے دیا۔ فرمایا۔

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَاسْتَقِيمُوا إِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوهُ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِينَ [٤١:٦]

آپ کہہ دیجئے! کہ میں تو تم ہی جیسا انسان ہوں مجھ پر وحی نازل کی جاتی ہے کہ تم سب کا معبود ایک اللہ ہی ہے سو تم اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اس سے گناہوں کی معافی چاہو، اور ان مشرکوں کے لیے (بڑی ہی) خرابی ہے [محمد جونا گڑھی]

واضح اور غیر مبہم جواب۔

میں تم جیسا ایک انسان ہوں۔ ہر وہ انسانی صفت جو تم میں ہے، مجھ میں بھی ہے۔

کوئی ایسا کام جو تم نہیں کر سکتے، میں کس طرح کر سکتا ہوں ؟؟

لٰہذا کوئی ایسا خرق عادت عمل، جس سے انسان کا شعور معطل ہو جائے، عقل دنگ رہ جائے، زبان گنگ ہو جائے، قلب و نظر مفلوج ہو جائیں، جیسا کہ تم مطالبہ کرتے ہو، میرے اختیار میں نہیں۔

البتہ ایک نشانی ضرور تمہیں ضرور دکھا سکتا ہوں، تم چاہو تو اسے معجزہ کہہ لو اور وہ ہے میری کتاب!!!

قرآن کریم۔ اللہ کا کلام!!!! ارشاد فرمایا۔

وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِّن رَّبِّهِ ۖ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِندَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ [٥٠:] أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَىٰ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ [٢٩:٥١]

یہ لوگ کہتے ہیں کہ "کیوں نہ اتاری گئی اس شخص پر نشانیاں اِس کے رب کی طرف سے ؟" کہو، "نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں اور میں صرف خبر دار کرنے والا ہوں کھول کھول کر" اور کیا اِن لوگوں کے لیے یہ (نشانی) کافی نہیں ہے کہ ہم نے تم پر کتاب نازل کی جو اِنہیں پڑھ کر سُنائی جاتی ہے؟ در حقیقت اِس میں رحمت ہے اور نصیحت ہے اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔[ابو الا علی مودودی]

یہ کتاب ہی میرا معجزہ ہے۔ رب کی نازل کی ہوئی نشانی ہے۔ اس میں تمہیں ہر اس سوال کا جواب مل سکتا ہے، جو تمہارے ذہنوں میں مچل رہے ہیں۔ لیکن اس کتاب عظیم کو سمجھنے کے کچھ اصول، ضابطے اور معیار ہیں۔

ارشاد فرمایا۔

ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ ۛ فِيهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ [۲:۲]

یہ وہ کتاب ہے، جس میں کنفیوژن کی کوئی بات نہیں ہے۔ اس کتاب سے وہ لوگ ہی ہدایت حاصل کر سکتے ہیں، جو اپنی فطرت میں، قانون پسند ہوں۔ اصول وضابطوں کے مطابق، نظم وضبط کے ساتھ زندگی گزارنے کے آرزومند ہوں۔ مفہوم

ہمارے یہاں عموماً اس لفظ "مُتَّقِين" کے معنی، پرہیز گار کئے جاتے ہیں۔ اور اس لفظ "پرہیز گار" کا مفہوم، نہایت ہی پاکیزہ، صوم وصلوٰۃ کا پابند، نیک اور پارسا انسان لیا جاتا ہے۔ اب اگر کوئی انسان پہلے ہی پاکیزہ ہو، نیک ہو، پارسا ہو، تو پھر اسے ہدایت کی ضرورت ہی کب رہ جاتی ہے؟؟

اس لفظ "مُتَّقِين" کے معنی، قانون کی پاسداری کے ہیں۔ نظم وضبط کے ساتھ زندگی گزارنے کے ہیں۔

زندگی اگر نظم وضبط سے خالی ہو، تو وہ انسانی زندگی کہلا ہی نہیں سکتی۔

نظم وضبط سے بے نیازی، جانوروں کا شیوہ ہے۔

اس کتاب عظیم سے ان لوگوں کو ہی ہدایت مل سکتی ہے جو اپنی فطرت میں اس بات کے خواہش مند ہوں کہ انہوں نے اپنی زندگی، قانون اور قاعدے کے مطابق گزارنی ہے۔

وہ لوگ جو کسی قانون کو نہیں مانتے، کسی قاعدے کے قائل نہیں، انہیں اس کتاب سے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

شاہراہوں پر لگے ٹریفک کے نشانات، ان ڈرائیورز کے لئے ہی نفع کا باعث ہو سکتے ہیں، جو ان کی پاسداری کریں۔ جو ان نشانات کی پاسداری کے قائل نہیں، ان کے لئے ان نشانات کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہوتا ہے۔ آخر الامر ایسے لوگ، کبھی نہ کبھی اپنی اس روش کے خطرناک نتائج کا شکار ہو جاتے ہیں۔

مزید ارشاد فرمایا۔

كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ [٣٨:٢٩]

یہ ایک بڑی برکت والی کتاب ہے جو (اے محمدؐ) ہم نے تمہاری طرف نازل کی ہے تاکہ یہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں اور عقل و فکر رکھنے والے اس سے سبق لیں [ابوالاعلی مودودی]

تفکر و تدبر!!! اس کتاب عظیم کو سمجھنے اور اس سے نصیحت حاصل کرنے کی بُنیادی شرط!!!

مزید ارشاد فرمایا۔

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا [٤٧:٢٤]

پھر کیوں قرآن پر غور نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں [احمد علی]

وہ لوگ، جو اس کتاب عظیم پر غور نہیں کرتے، تدبر و تفکر نہیں کرتے، کہا کہ کیا ان لوگوں نے اپنے دلوں پر تالے ڈال رکھے ہیں۔

صرف تفکر و تدبر مگر!!!

غیر جانبدار ہو کر، خالی الذہن ہو کر، بغیر کسی سابقہ عقیدہ یا نظریہ کے تابع ہوئے، اس پر غور و فکر کرنے سے فائدہ ہو سکتا ہے۔

ارشاد فرمایا۔

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ [:]فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ [:]لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ [٥٦:٧٩]

کہ یہ ایک بلند پایہ قرآن ہے، ایک محفوظ کتاب میں ثبت، جسے مطہرین کے سوا کوئی چھو نہیں سکتا[ابوالاعلی مودودی]

عربی زبان میں اس لفظ "مُطَهَّرُونَ"کا مادہ "ط ھ ر" ہے۔ جس کے معنی کسی چیز سے نجاست کا دور ہو جانا ہے۔ چنانچہ اس کے معنی پاکیزگی کے ہیں۔ صاف، ستھرا ہونے کے ہیں۔ قرآن کریم میں "طہارت" کا لفظ صرف جسمانی پاکیزگی کے لئے ہی استعمال نہیں ہوا، بلکہ اس میں انسان کے قلب و نگاہ کی پاکیزگی بھی شامل ہے۔

قرآن کریم کے حوالے سے یہ اعلان ربانی ہے کہ اس کے سمجھنے کے لئے انسان کے قلب و ذہن کا پاکیزہ ہونا لازم ہے۔ لازم ہے کہ انسان اپنے ذہن سے ہر قسم کے ذاتی رجحانات، نظریات، عقائد اور خواہشات کی نجاست کو الگ کر کے اس کتاب عظیم پر تفکر و تدبر کرے۔ اس سے ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ تب ہی اس پر قرآن کریم کے حقیقی معنی و مفہوم واضح ہونگے۔

یہ ہی وہ المیہ ہے، جسے آج بھی ہم جیسے " قرآنی طالب علم " بھگت رہے ہیں۔ آج قرآن کریم پر اُٹھنے والے، کثیر اعتراضات و لعن طعن، کی وجہ ہمارے سابقین و حاضرین کے ایسے تراجم ہیں، جو اس قرآنی اصول "مُطَهَّرُونَ" کے علی الرغم کئے گئے۔

نبی اکرم ﷺ اور ان کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دور تک قرآن کریم کو سمجھنے میں کسی دشواری کا سامنا نہ تھا۔ پورا قرآن اس پر شاہد ہے۔

قرآن کریم میں تقریباً 14 بار "یَسۡأَلُونَكَ "اور اس جیسے مفہوم کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

جن کے معنی "یہ پوچھتے ہیں "ہے۔

نبی اکرم ﷺ پر وحی خداوندی، بتدریج تقریباً 23 سالوں تک نازل ہوتی رہی، جسے نبی اکرم ﷺ حرف بہ حرف اپنے صحابہ کرام تک پہنچاتے رہے۔ غور طلب بات ہے کہ 23 سال کے طویل عرصہ میں، محض 14 بار، صحابہ کرام کو کسی شئے کے حوالے سے مزید وضاحت کی ضرورت محسوس ہوئی، ورنہ جو کچھ خداوند کریم کی طرف سے نازل ہو رہا تھا، سب کی سمجھ میں آرہا تھا۔ کوئی الجھن نہ تھی۔ کوئی مشکل نہ تھی۔

دور نزول قرآن میں، عربوں کے یہاں سوائے قرآن کریم کے کوئی اور کتاب موجود ہی نہ تھی۔

نبی اکرم ﷺ کے دنیا سے رخصت ہونے کے تقریباً ایک دیڑھ صدی کے بعد، کچھ محترمین نے نبی اکرم ﷺ کے اقوال وافعال کو جمع کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔ امام مالک، امام بخاری، امام مسلم، اور ان کے دیگر ہم عصر رفقاء کار علیہ رحمہ، نے اپنے دور میں موجود انسانوں سے نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کے واقعات وغیرہ جمع کرنے کا بیڑا اُٹھایا۔

ظاہر ہے کہ اس دور میں کوئی ایک انسان بھی ایسا نہ تھا، جس نے خود نبی اکرم ﷺ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو، سنا ہو، سیکھا ہو۔ چنانچہ جو لوگ اس وقت زندہ تھے، ان کے پاس نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کے حوالے سے جو کچھ بھی معلومات تھیں، ان کا ذریعہ ان کے ماں باپ، دادا، پردادا کے بتائے ہوئے واقعات ہی تھے۔

میں اپنے اسلاف کے حوالے سے ہمیشہ اچھا گمان رکھتا ہوں۔ حسن ظن کو ترجیح دیتا ہوں۔ یقیناً ہمارے محترم سابقین نے یہ کام نہایت ہی خلوص، نیک نیتی اور نبی اکرم ﷺ کی چاہت و محبت میں کیا ہو گا۔

مگر کوئی بھی انسانی کوشش، سہو و خطا سے منزہ نہیں ہو سکتی۔

ایک ایسی صورت میں کہ جب کوئی سابقہ تحریری ریکارڈ بھی دستیاب نہ ہو، محض لوگوں کے بیان کردہ واقعات کو اپنی فہم و فراست کے پیمانے پر پرکھ کر درست اور غلط کے انتخاب میں غلطی، بعید از امکان امر نہیں۔

بخاری شریف کے دیباچے میں خود امام بخاری علیہ رحمہ نے لکھا، کہ جب انہوں نے جمع الحدیث کا ارادہ کیا، لوگوں سے رابطہ کیا، تو انہیں قریباً چھ لاکھ روایات ملیں، جن کے حوالے سے ان کے بیان کرنے والوں کا اصرار تھا کہ یہ قول رسول اللہ ہیں۔ احادیث ہیں۔ امام بخاری علیہ رحمہ نے اتنی بڑی تعداد میں دستیاب روایات میں سے تقریباً 3000، روایات کو درست مان کر، یا سمجھ کر اپنی کتاب میں جگہ دی۔ باقی سب کی سب مسترد قرار پائیں۔

جن روایات کو امام بخاری علیہ رحمہ نے درست تسلیم کیا، اور جنہیں رد کیا، ان دونوں قسم کی روایات کے ضمن میں ان کے پاس سوائے اپنی فہم و فراست، عقل و شعور کے کوئی اور کسوٹی تھی ہی نہیں۔ کوئی ایسا سابقہ تحریری ریکارڈ موجود نہ تھا، جس کی بنیاد پر کسی روایت کو قبول یا مسترد کیا جاتا چنانچہ اس طرح کے عمل میں اس بات کا سو فیصد امکان تھا کہ کوئی ایسی روایت جو درست ہو، مگر وہ امام بخاری علیہ رحمہ کی کتاب میں جگہ نہ پا سکی ہو، اس ہی طرح یہ بھی سو فیصد ممکن ہے کہ کوئی ایسی روایت جو واقعتاً، نبی اکرم ﷺ کا قول نہ ہو، مگر امام بخاری علیہ رحمہ کی کتاب میں جگہ پا گئی ہو۔

پھر ان محترمین کی جمع کی گئی "احادیث" کی روشنی میں قرآن کریم کے تراجم کئے گئے، تفاسیر مرتب ہوئیں۔

اس طرح ہمارے محترم مترجمین اور مفسرین نے " لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ "کے قرانی دائرے سے باہر نکل جانے کا سہو کیا۔

پھر جو بھی ترجمہ ہوا، انسانوں کے بیان کردہ واقعات، عقائد و نظریات کے تحت ہی ہوا۔ جو تفسیر بیان ہوئی، انسانوں کی بیان کردہ، روایات کے مطابق ہی ہوئی۔ یہ سلسلہ آج تک جاری و ساری ہے۔

آج بھی ایک سوال ہم جیسے "قرآنی طالب علموں" سے بڑی شد و مد کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

پوچھا جاتا ہے کہ چلو مان لیتے ہیں کہ قرآن کریم کے تراجم میں کوتاہیاں ہوئیں، مان لیتے ہیں کہ عرب کے علاوہ دیگر علاقوں کے رہنے والے "علماء" کی مادری زبان چونکہ عربی نہ تھی اس لئے غلطیاں ہوئیں۔ لیکن وہ لوگ جو اہل زبان ہیں، عربی ہیں، انہیں تو کوئی دقت نہ تھی پھر ان کے عقائد بھی وہ ہی کیوں ہیں جو دیگر مسلمین کے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ پہلی صدی ہجری کے بعد، جو کچھ دین کے نام پر مدون ہوا، ان کی بنیاد، انسانی یاداشت پر مشتمل واقعات ہوں، تو اس کے بعد ہونے والی کوئی بھی قرآنی تفسیر، قرآنی کس طرح رہ سکتی تھی۔ اس دور سے لے کر آج تک، جو ترجمہ کیا گیا، جو تفسیر بیان ہوئی، اس کا ماخذ، تو وہ ہی کتب روایات ہی رہیں۔

یہ بات بھی غور طلب ہے کہ آج بھی کیوں عرب ممالک کی اکثریت، بشمول سعودی عرب، قرآن کریم کے ہوتے ہوئے اپنا نظام، خواہ وہ دنیاوی معاملات سے متعلق ہو، یا دینی معاملات سے متعلق، سب کے سب ان کتب روایات کے مطابق ہی چلاتے ہیں۔

چنانچہ اس دور کے بعد آج تک قرآن کریم کے جو بھی تراجم ہوئے، تفاسیر ہوئیں، سب کے سب، انسانوں کے بیان کردہ واقعات، عقائد و نظریات، کو مد نظر رکھ کر ہوئے۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ ہمارے سابقین اور حاضرین، ان تمام عقائد کو جو دین میں مروج چلے آرہے ہیں، کتاب اللہ کے پیمانے پر پرکھتے۔ جو قرآن کریم کی بنیادی تعلیم اور تصور کے مطابق ہوتا اسے قبول کر لیا جاتا۔ جو قرآن کریم کی بُنیادی تعلیم و فلسفہ سے متصادم ہوتا، اسے اپنے سابقین کا انسانی سہو سمجھ کر، الگ کر دیا جاتا۔

ظاہر ہے کہ اس طرح کے عمل کے لئے جس جرات کی ضرورت ہے۔

جس حوصلے کی ضرورت ہے شاید وہ اکثر میں نہ تھا۔

پھر یوں ہوا کہ، وہ تمام کے تمام غیر قرآنی عقائد و نظریات، جو انسانوں نے اپنی یاداشت کی بنیاد پر، قول رسول اللہ کہہ کر پیش کیئے، انہیں ذہن میں رکھ کر، قرآنی آیات کا مفہوم متعین کیا گیا قرآن کریم کی مختلف آیات کو ان مخصوص عقائد کے تناظر میں، پیش کیا گیا۔ اس طرح ان عقائد کو قرآنی سند مہیا کر دی گئی۔

اب ایک طرف، انسانوں کے اپنے وضع کردہ عقائد و نظریات اور دوسری طرف قرآن کریم کی واضح آیات۔ کھلے الفاظ کہ اگر تم اس کتاب عظیم کو سمجھنا چاہتے ہو، اس سے ہدایت حاصل کرنا چاہتے ہو، تو اس کی بُنیادی شرط، قانون کی پاسداری کی فطرت اور بغیر کسی پیشگی عقائد و نظریات کے اس کی آیات پر عقل و فکر، علم و بصیرت کی کسوٹی پر تفکر و تدبر ہے۔

جو کوئی بھی ان شرائط کے مطابق اس کتاب عظیم کو سمجھنے کی کوشش کرے گا، یقیناً اسے ہدایت و راہنمائی مل جائے گی۔ لیکن اس مقام پر یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ جو کتاب ہم نے نازل کی ہے، اس میں بھی کوئی پوشیدہ راز ہیں۔ کوئی مخفی اسرار ہیں۔ ہر گز نہیں۔

یہ سیدھا سادا کلام ہے۔ انسانوں کی راہنمائی کے لئے آسان ترین انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

نہ اس میں کوئی معجزہ ہے اور نہ ہی اس کے الفاظ میں کوئی جادو!!

ارشاد فرمایا۔۔

وَلَوْ أَنَّ قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ أَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْأَرْضُ أَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتَىٰ ۗ بَل لِّلَّهِ الْأَمْرُ جَمِيعًا ۗ أَفَلَمْ يَيْأَسِ الَّذِينَ آمَنُوا أَن لَّوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيعًا ۗ وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا تُصِيبُهُم بِمَا صَنَعُوا قَارِعَةٌ أَوْ تَحُلُّ قَرِيبًا مِّن دَارِهِمْ حَتَّىٰ يَأْتِيَ وَعْدُ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ [۱۳:۳۱]

اور اگر کوئی ایسا قرآن ہوتا جس کے ذریعے پہاڑ چلا دیئے جاتے یا اس سے زمین پھاڑ دی جاتی یا اس کے ذریعے مُردوں سے بات کرا دی جاتی (تب بھی وہ ایمان نہ لاتے)، بلکہ سب کام اللہ ہی کے اختیار میں ہیں، تو کیا ایمان والوں کو (یہ) معلوم نہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت فرما دیتا، اور ہمیشہ کافر لوگوں کو ان کے کرتوتوں کے باعث کوئی (نہ کوئی) مصیبت پہنچتی رہے گی یا ان کے گھروں (یعنی بستیوں) کے آس پاس اترتی رہے گی یہاں تک کہ اللہ کا وعدۂ (عذاب) آپہنچے، بیشک اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا، [طاہر القادری]

حرف آخر بیان !!!

کہا اس قرآن میں ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ جس سے پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ کر چہل قدمی شروع کر دیں، یا زمین شق ہو جائے، یا مُردوں سے باتیں کی جا سکیں۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ اور اگر ہم ایسی کوئی اور آسمانی کتاب نازل بھی کر دیں، تب بھی یہ کفار نہیں مانیں گے۔

ایسا نہیں ہے کہ یہ سب کچھ ہمارے اختیار میں نہیں۔ ہر کام اللہ کریم کے قبضہ قدرت میں ہے مگر ہم زبردستی کسی سے کچھ نہیں منوانا چاہتے۔ وہ ایمان، جو انسانی عقل کو سلب کر کے، اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں کو معطل کر کے، معجزات دکھا کر، زبردستی قبول کروایا جائے، اس ایمان کی کوئی حیثیت نہیں۔ نہ ہی یہ ہمارا منشاء ہے۔

ہمارا یہ کلام سب کے سامنے ہے۔ اب جس نے بھی اسے ماننا ہے، عقل و شعور، فہم و فراست، علم و بصیرت کی رو سے ماننا ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے اس قرآن میں واضح بیانات ہیں۔ دلائل و براہین ہیں۔

پھر یوں بھی نہیں کہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے، وہ محض الفاظ ہی رہ جائیں گے۔

جو ہم کہہ رہے ہیں، وہ ہو کر رہے گا۔ جو ہم بتا رہے ہیں، سامنے آ کر رہے گا، جو سمجھا رہے ہیں، ہو کر رہے گا۔

ارشاد فرمایا۔

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ [:]وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَأَهُ بَعْدَ حِينٍ [۳۸:۸۸]

یہ (قرآن) تو سارے جہان والوں کے لئے نصیحت ہی ہے، اور تمہیں تھوڑے ہی وقت کے بعد خود اِس کا حال معلوم ہو جائے گا،

[طاہر القادری]

کہا کہ ہم نے اس قرآن کو تمام انسانوں کے لئے راہنمائی بنایا ہے۔ اس میں ہر اس شئے کو نکھار کر بیان کر دیا ہے جس کا جاننا انسان کے لئے ضروری تھا۔

اس کتاب عظیم کا ایک حصہ اس راہنمائی سے متعلق ہے جس سے انسان کی جنت یا جہنم کی تعمیر ہوتی ہے۔ انسان کو کیا کرنا چاہیئے کیا نہیں کرنا چاہیئے، سب کچھ بہت ہی آسان الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔ ہر دور اور ہر ذہنی سطح کا انسان قرآن کریم کے اس حصہ کو بغیر کسی دقت کے سمجھ سکتا ہے۔

البتہ، اس کتاب عظیم میں ہم نے زندگی کے کچھ بسیط حقائق بھی بیان کئے ہیں۔ ان حقائق کو ہم نے استعاروں اور تشبیہات کے ذریعے سمجھایا ہے۔ ہر دور کا انسان اپنے دور میں دستیاب علمی انکشافات، اور اپنی ذہنی سطح کے مطابق اسے سمجھے گا۔

جیسے جیسے وقت گزرے گا، جیسے جیسے انسانی شعور ترقی کرے گا، وہ ان استعاروں اور تشبیہات میں بیان کردہ آفاقی حقائق کو زیادہ بہتر انداز میں سمجھتا چلا جائے گا۔

اس مقام پر یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ قرآن کریم کی وہ راہنمائی، جس پر انسان کی جنت اور جہنم کا مدار ہے، وہ انتہائی سہل انداز اور دوٹوک الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔ قرآن کریم انہیں "آیات محکمات" کہتا ہے۔ ان آیات کو سمجھنا، ہر دور اور ذہنی سطح کے انسان کے لئے آسان ہے۔

کوئی انسان، اس بات کا شکوہ نہیں کر سکتا کہ مجھے سمجھ نہیں آئی۔

البتہ کائنات کے اسرار و رموز، حیات بعد الممات، اور اس جیسے دیگر موضوعات کو تشبیہات اور استعاروں میں بیان کیا گیا ہے۔ قرآن کریم انہیں "آیات متشابہات" کہتا ہے۔

ہر دور کا انسان اپنے دور میں دستیاب دیگر علوم، تاریخ، سائنس وغیرہ اور اپنے شعور کی سطح کے مطابق انہیں سمجھنے کی کوشش کرے گا۔

ان آیات متشابہات کو کما حقہ نہ سمجھنے سے اس کی جنت جہنم پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ایسا نہیں ہے کہ اگر کسی دور کا انسان اپنے دور میں اپنے شعور کی سطح پر ان آیات کا ایسا مفہوم لے جو، درست نہ ہو تو اس کے نتیجہ میں وہ جہنم میں چلا جائے گا۔ ایسا نہیں ہے۔

ان آیات پر تفکر و تدبر کرنا لازم ہے، البتہ اگر اس تفکر و تدبر میں انسان سے کوئی سہو ہو جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ آنے والے دور کے زیادہ فہیم انسان، ان آیات کو زیادہ بہتر انداز میں سمجھ سکیں گے۔

ارشاد فرمایا۔

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۗ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ [٤١:٥٣]

ہم عنقریب ان کو اطراف (عالم) میں بھی اور خود ان کی ذات میں بھی اپنی نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ (قرآن) حق ہے۔ کیا تم کو یہ کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار ہر چیز سے خبردار ہے [فتح محمد جالندہری]

وقت کے ساتھ ساتھ زندگی کے وہ بسیط حقائق، جو استعاروں اور تشبیہات کی شکل میں بیان ہوئے ہیں، ہم انہیں مشہود کر دیں گے۔ مجازی صورت میں سامنے لے آئیں گے، یہاں تک کہ سب اس کتاب عظیم کی حقانیت کو مان لیں۔

محترم قارئین!!!

اس مضمون پر ایک بار پھر غور فرمائیں۔ ایک عمیق نظر دوڑائیں۔

قرآن کریم کا بیان اپنے معنی و مفہوم میں واضح اور غیر مبہم ہے۔ پیچ و خم سے پاک!! آسان اور سادہ!!!

کیا کہا گیا ہے ایک بار پھر سمجھ لیتے ہیں۔ کہا!!

- ہم نے اس ساری کائنات کو تخلیق کیا۔
- اس کائنات کا ایک ایک ذرہ، ہمارے بتائے ہوئے راستے پر چلنے پر مجبور ہے۔
- ہم نے انسان کو پیدا کیا۔ اسے ارادے کی طاقت اور اپنی مرضی کا راستہ چُننے کا اختیار دیا۔
- ان ہی میں سے ان جیسے کسی انسان کا انتخاب کر کے، اس کے توسط سے صحیح اور غلط کی راہنمائی بھیجی۔
- ہمارا پیغام، عقل و بصیرت، علم و آگہی، فہم و شعور کی بُنیاد پر، دلائل و براہین کی رو سے مبنی بر حقیقت ہے۔
- جسے قانون پسند لوگ، بغیر کسی پیشگی عقائد و نظریات کے، تفکر و تدبر کے ذریعے بہت آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔
- انسان کے ہر عمل کا ایک نتیجہ مرتب ہوتا ہے۔ اچھے عمل کا اچھا نتیجہ، بُرے عمل کا بُرا نتیجہ۔
- اس کا نام قانون مکافات عمل ہے۔
- انسان اپنے عمل کے ضمن میں با اختیار اور آزاد ہے۔
- ہر وہ عمل، جو وہ اپنی رضا و رغبت سے کرے گا، اس کے اچھے یا بُرے نتائج کی ذمہ داری بھی اس ہی پر عائد ہو گی۔
- اگر ہمارا مطمع نظر، انسان سے کوئی بات زبردستی منوانا ہوتا، تو ہم اسے ارادے کی طاقت ہی نہ دیتے۔ اسے اپنی مرضی کا راستہ چننے کا اختیار ہی نہ دیتے۔ اسے بھی دیگر اشیاء کائنات کی طرح مجبور محض پیدا کر دیتے۔
- یہ ہی وجہ ہے کہ ہمارے بھیجے گئے تمام کے تمام پیغام بر، دوسرے انسانوں کی طرح عام انسان ہی تھے۔

- جن کے پاس کوئی مافوق الفطرت قوت نہ تھی۔
- کسی قسم کی شعبدہ بازی، جس کے نتیجے میں انسانی عقل، تفکر و تدبر کے قابل نہ رہے۔ ہمارے شایان شان نہیں۔
- ہمارا پیغام علیٰ وجہ البصیرہ ہے۔
- دین میں کوئی جبر نہیں۔

غور فرمائیں!!!

اتنے واضح بیان کے بعد، کیا اس تصور کی کوئی گنجائش رہ جاتی ہے کہ اللہ کریم اپنے پیغامبروں کو کوئی ایسی صلاحیت عطا فرمائے، جس کے نتیجے میں وہ ایسے خرق عادت اعمال کریں، ایسے "معجزات" دکھائیں، جس سے انسانوں کی عقل سلب ہو جائے۔ ذہن ماؤف ہو جائے۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی باقی نہ رہے۔

اس طرح انسانی بصارت و بصیرت پر پردے ڈال کر ان سے ایمان کا اقرار کروالیں۔

قارئین کرام!!!

رب کریم نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے اس کائنات کو تخلیق کیا۔

تخلیق کائنات، اپنے آپ میں ایک زندہ "معجزہ" ہے۔

کائنات کا ایک ایک ذرہ اپنے خالق کے بتائے ہوئے راستے پر گامزن ہے۔ نظام کائنات، اس کا نظم وضبط، ایک بڑے تخلیق کار کا شاہکار ہے۔

عقل والے جب اس کائنات اور اس کے معمولات پر تفکر و تدبر کرتے ہیں تو ان کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ وہ خالق و مالک ، اپنی اس تخلیق میں، اپنی مرضی و منشاء کے رنگ بھرتا ہے۔ اضافے کرتا ہے۔

گردش لیل ونہار، خود اپنے آپ میں ایک "معجزہ" ہے۔

اس ہی طرح، اس رب نے اپنی حکمت بالغہ، کے مطابق انسانوں میں سے کچھ انسانوں کو منتخب کیا۔ ان سے مکالمہ کیا۔ ان کے توسط سے دیگر انسانوں کو راہنمائی فراہم کی۔

کسی انسان پر وحی کا نزول، خالق کائنات کا اس سے مکالمہ، اس سے بڑا "معجزہ" کیا ہو سکتا ہے؟؟

اپنے انبیاء علیہ سلام سے رب کریم کس طرح مخاطب ہوتے تھے، ان سے کس طرح مکالمہ ہوتا تھا، وحی کی کنہ و حقیقت کیا ہوتی تھی، غیر از نبی اس کا ادراک کر ہی نہیں سکتا نہ اس کیفیت کو سمجھ سکتا ہے۔

اس ہی طرح، اگر رب کریم نے اپنے کسی نبی علیہ سلام پر ان کی ذاتی حیثیت میں کچھ انفرادی عنایات فرمائیں، مشکل و مصائب میں غیب سے ان کی مدد کی، تو اس میں حیرت کی تو کوئی بات نہیں ہے۔

اگر خدا نے اپنی قدرت بالغہ سے، ذکریا علیہ سلام کو کبر سنی میں اولاد کی نعمت سے نوازہ، اگر حضرت ایوب علیہ سلام کو ان کی بیماری کا علاج بذریعہ وحی عطا فرمایا، اگر حضرت یونس علیہ سلام کو مچھلی کی خوراک بننے سے بچایا، تو اس میں حیرت کی بات کیا ہے؟؟

البتہ کسی "معجزہ" کے ذریعے انسان کو ایمان لانے پر مجبور کر دینے کا عقیدہ، قرآن کریم کے بُنیادی نظریہ اور فلسفہ سے متصادم تصور ہے۔ اس کے نافذ کردہ "قانون مکافات عمل" کے خلاف ہے۔ جہاں انسان اپنے اعمال کا ذمہ دار صرف اس وقت ٹھہرتا ہے، جب اس نے وہ کام اپنی مرضی سے کیا ہو۔

کوئی ایسا انسانی عمل، جس میں اس کی فہم شامل نہ ہو، اس کا شعور شامل نہ ہو، اس کی رضا شامل نہ ہو۔ جسے وہ مجبور محض بن کر اختیار کرے۔

اس کے اچھے یا بُرے نتیجہ کا وہ ذمہ دار کس طرح ٹھہرایا جا سکتا ہے؟؟

چنانچہ ایسے خرق عادت اعمال جنہیں عرف عام میں "معجزات" کہا جاتا ہے، انہیں دکھلا کر، دوسرے انسانوں کی عقل و فکر کو مفلوج کر کے ان سے ایمان کا اقرار کروانے کی کوشش، مکمل طور پر غیر قرآنی عقیدہ ہے۔

اس حوالے سے قرآن کریم کی تعلیم واضح اور غیر مبہم ہے۔ ایسی واضح اور غیر مبہم تعلیم اور بیانات کے ہوتے ہوئے اس طرح کے "معجزات" کا تصور، قرآن کریم اور اس کے نازل کرنے والے رب کائنات کی حاکمیت سے انکار کے مترادف ہے۔ اس کے "الحکیم" ہونے پر ایک سوالیہ نشان ہے۔

آیات قرآنی اور معجزات

قرآن کریم کی متعدد آیات مبارکہ کو "معجزات" کی سند کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔

ان میں سے کچھ آیات تو اپنے معنی و مفہوم میں بلکل واضح ہیں اگر انسان اپنے ذہن کو "معجزات" کے مخصوص عقیدے سے پاک کر کے، کسی مخصوص "واقعہ" کو ذہن میں رکھے بغیر، اس کے پس منظر کو اپنی فہم پر حاوی کئے بغیر صرف عربی زبان کے قواعد و ضوابط اور فہم قرآنی کے اصولوں کے مطابق ان آیات مبارکہ کو سمجھنے کی کوشش کرے، تو کوئی کنفیوژن ہے ہی نہیں۔

آگ کا گلزار ہو جانا

جو آیات مبارکہ حضرت ابراہیم علیہ سلام کے اس مبینہ "معجزہ" کی سند کے طور پر پیش کی جاتی ہیں، اگر اپنے ذہن کو، اس مخصوص "معجزہ" کے تصور سے پاک کر کے، ان آیات مبارکہ پر خالص عربی زبان کے قواعد و ضوابط کی روشنی میں غور و فکر کیا جائے، تو بات نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔ پورے قرآن کریم میں ایک بھی ایسی آیت نہیں جہاں کہا گیا ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ سلام کو آگ میں پھینک دیا گیا تھا۔ بلکہ دو مقامات پر جہاں یہ واقعہ بیان ہوا ہے، واضح الفاظ میں کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ سلام کے مخالفین آپؑ کو قتل کرنے کے منصوبے بنا رہے تھے۔ انہیں زندہ جلانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔

" آیت مبارکہ کے الفاظ " فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَسْفَلِينَ [۳۷:۹۸] " دوسری جگہ کے الفاظ " وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ [۲۱:۷۰]۔ اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ معاملہ ابھی " ارادے " تک محدود تھا۔ ابھی لائحہ عمل طے ہو رہا تھا کہ کس طرح مارا جائے۔

دیگر مقامات پر بیان کردہ آیات مبارکہ " وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ [۳۷:۹۹] " اور دوسری جگہ " وَقَالَ إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَىٰ رَبِّي ۖ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ [۲۹:۲۶] " سے واضح ہو جاتا ہے کہ مخالفین کی گرفت میں آنے سے پہلے ہی حضرت ابراہیم علیہ سلام، حکم خداوندی کے بموجب، اس مقام سے ہجرت فرما گئے۔

جہاں تک آیت مبارکہ " قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ " کا تعلق ہے، تو محاورہ عرب جاننے والوں کے لئے اس میں کوئی بات باعث حیرت نہیں۔ عرب ایسی حالت میں کہ جب بہت زیادہ اشتعال پھیلا ہوا ہو، بہت زیادہ قتل و غارتگری کا اندیشہ ہو، یہ محاورہ استعمال کیا کرتے تھے " يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا "--------

ہمارے یہاں بھی اس طرح کے محاورے استعمال ہوتے ہیں۔

پنجابی زبان میں ایک محاورہ استعمال ہوتا ہے " مٹی پاؤ "۔

جب کبھی ایسے حالات پیدا ہو جائیں، جہاں انتشار کی کیفیت ہو، باہم دست و گریبان ہونے کا اندیشہ ہو، طیش و غضب کا عالم ہو، تو اس وقت معاملات کو کنٹرول کرنے کے لئے کہا جاتا ہے " مٹی پاؤ "۔

اس سے ہرگز ایسا نہیں کہ کسی شئے پر مٹی ڈال دی جاتی ہے۔ بلکہ یہ بات بطور محاورہ استعمال ہوتی ہے۔

اس کے معنی معاملات کو ٹھنڈا کرنے کے ہیں۔ درگذر کرنے کے ہیں۔ افہام و تفہیم کے ہیں۔

اس ہی طرح، حضرت عیسیٰ علیہ سلام کا مُردوں کو زندہ کر دینے کا بیان، اندھے کو بینائی عطا کر دینے کا بیان، قرآنی اسلوب کے مطابق سمجھنے کی کوشش کی جائے تو کوئی مشکل نہیں ہے۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر ان لوگوں کو، جو حقیقت کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود ماننے سے انکار کرتے تھے، انہیں نابینا اور مُردہ کہا گیا ہے۔ خود نبی اکرم ﷺ سے متعدد آیات میں کہا گیا ہے کہ اے نبی، تم اندھوں کو راستہ نہیں دکھا سکتے۔ مُردوں کو نہیں سنا سکتے۔

اس ہی طرح، قرآن کریم، وحی کی پیروی کو حیات نو سے تعبیر کرتا ہے۔ متعدد مقامات پر اس حوالے سے آیات بیان ہوئی ہیں۔ انبیاء علیہ سلام کا مشن ہی ان مُردوں میں، زندگی کی رمق پھونکنا ہے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ سلام کا مُردوں کو زندہ کر دینا، اندھوں کو بینا کر دینا، اس ہی کارِ نبوت کا بیان ہے اس سے حقیقی اندھے یا مُردے مراد نہیں ہیں۔

خود نبی اکرم ﷺ ، کے حوالے سے متعدد "معجزات" کی سند کے طور پر آیات قرآنی پیش کی جاتی ہیں۔ اگر ان آیات کا بھی کسی مخصوص واقعہ، کسی معجزہ کو ذہن میں رکھے بغیر عام ترجمہ کیا جائے، تو حضور اکرم ﷺ کے کسی "معجزہ" کا کوئی بیان قرآن کریم میں موجود نہیں۔ بلکہ متعدد آیات میں "معجزہ" کی اہلیت سے معذوری کا اظہار، خود نبی اکرم ﷺ کی زبانی بیان کیا گیا ہے۔

واقعہ معراج کے ضمن میں پیش کی جانے والی آیات مبارکہ، اپنے مضمون میں واضح ہیں اور ایسے کسی واقعہ کی توثیق نہیں کرتیں۔

آیات متشابہات

البتہ قرآن کریم میں کئی ایسی آیات موجود ہیں، جن سے کسی "خاص" وقت میں کسی "خاص" واقعہ کے ظہور پذیر ہونے کے اشارے ملتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ سلام کے واقعات، ید بیضاء، عصائے موسیٰ، حضرت ابراہیم علیہ سلام اور پرندے، شق القمر وغیرہ۔

اگر ان آیات مبارکہ کا لفظی ترجمہ کیا جائے، تو بظاہر کسی "معجزہ" کی سی صورتحال سامنے آتی ہے۔

میرے پیش کردہ مضمون میں، نص صریح قرآنی سے یہ بات بغیر کسی ابہام کے ثابت کی جاچکی ہے کہ ایسا کوئی خرق عادت عمل، جس سے انسانی عقل عاجز آجائے، اس کا فہم و شعور معطل ہو جائے، اس طرح کسی انسان کو ایمان لانے پر مجبور کیا جائے، قطعی طور پر غیر قرآنی نظریہ ہے۔ چنانچہ ان آیات مبارکہ سے کسی ایسے "معجزہ" کا گمان، جس سے لوگوں کو ایمان لانے کی ترغیب ملے، بہت بڑی غلطی کہلائے گی۔

اب سوال یہ ہے کہ پھر ہم ان آیات مبارکہ کے ضمن میں کیا لائحہ عمل اختیار کریں۔

کس طرح ان آیات مبارکہ کو سمجھیں۔

اس کا ایک راستہ تو وہ ہے، جو اُستاد محترم علامہ غلام احمد پرویز علیہ رحمہ نے اختیار کیا۔

انہوں نے ان آیات کو "مجازی" معنوں میں بیان کیا ہے۔

خاکسار کو بصد احترام، پرویز علیہ رحمہ کے متعین کردہ ان آیات قرآنی کے " مفاہیم " سے اختلاف ہے۔

میرا موقف یہ ہے کہ قرآن کریم انسانوں کی راہنمائی کی کتاب ہے۔

خود اس کتاب عظیم کا دعویٰ ہے کہ اس کا بیان سادہ، آسان اور فصیح و بلیغ ہے۔

زندگی کے وہ بسیط حقائق، جو کسی مخصوص دور میں انسانی حیطہ ادراک سے ماوراہوں، جنہیں سمجھنے کے لئے وقت درکار ہو، مثلاً رموز کائنات، آنے والے وقت کی پیشگوئیاں، حیات بعد الممات وغیرہ، ان حقائق کا استعارات و تشبیہات کی صورت مجازی و تمثیلی انداز میں بیان، عقل کے مطابق بات ہے۔

لیکن اگر حضرت موسیٰ علیہ سلام فرعون کے دربار میں اپنا موقف دلائل و براہین کی رو سے پیش کر رہے تھے، تو اس بات کو عام فہم زبان میں بیان کرنے کے بجائے، اژدھے اور چمکتے ہاتھ کی تشبیہات کی صورت میں پیش کرنا، کس طرح آسان ہدایت کے زمرے میں آتا ہے؟؟

اگر بات ساحرین فرعون سے علمی مباحثہ کی تھی، اگر بات عقل و بصیرت کی تھی، تو اس بات کو عام فہم انداز میں بیان کرنے میں کیا امر مانع تھا؟؟

اس مقام پر نہ تو بات حیات بعد الممات کی ہو رہی تھی، نہ کائنات کے اسرار و رموز کی، تو پھر کیوں اس واقعہ کو آسان و محکم الفاظ میں بیان نہ کیا گیا؟؟

کیوں مجازی الفاظ اختیار کئے گئے کہ جسے سمجھنے کے لئے عام انسان کو کسی علامہ، کسی مفکر، کسی دانشور کی مدد کی ضرورت پیش آئے، جو ہمیں یہ بتائے کہ دیکھو، قرآن کریم میں یہ جو ہاتھی لکھا ہے، حقیقت میں یہ ہاتھی نہیں ہے بلکہ اللہ کریم نے معاذ اللہ تمہیں الجھانے کے لئے اسے ہاتھی بیان کیا ہے، حقیقت میں یہ تو اونٹ ہے۔

وہ خدا، جو اپنے بندوں کو مبہم بات کرنے سے منع فرماتا ہے جو حکم دیتا ہے کہ۔۔۔۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا [۳۳:۷۰]

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرا کرو اور صحیح اور سیدھی بات کہا کرو، [طاہر القادری]

وہ خدا، خود کیوں اپنی بات "ابہام" کے پردے میں کر رہا ہے؟؟ جبکہ بات بھی عقل و بصیرت کی ہو رہی ہے؟؟

میرا رب اس طرح کی بے اصولی کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔

وہ انسانی خیالات اور سوچ کی آلائشوں سے پاک ہے۔

اس ہی طرح "شق القمر" کے الفاظ سے، پرویز علیہ رحمہ کفار مکہ کا "جھنڈا" لیتے ہیں۔

ان کے خیال کے مطابق، یہ اس وقت کی پیشگوئی ہے جب کفار مغلوب ہو جائیں گے۔

میں اپنے سابقین کے حوالے سے ہمیشہ "حسن ظن" کا قائل رہا ہوں۔ میں نے پرویز علیہ رحمہ کے ساتھ، جوانی کے کئی سال گزارے ہیں، میں نے انہیں ہمیشہ قرآن کریم سے مخلص پایا۔ البتہ ہر انسان کی طرح پرویز علیہ رحمہ میں بھی کچھ انسانی کمزوریاں تھیں۔ ان کے اپنے کچھ مخصوص عقائد اور نظریات تھے۔

آیات قرآنی کے مفاہیم کے تعین میں، اگر ایک طرف، صدر اول کے ہمارے علماء، نے اپنے عقائد کے ہاتھوں "سہو" کیئے۔ انہوں نے قرآن کریم کی آیات کے من مانے تراجم سے اپنے عقیدہ "معجزات" کو درست ثابت کرنے کی کوشش کی۔ تو اس ہی طرح، پرویز علیہ رحمہ نے بھی اپنی سوچ اور نظریہ کے مطابق قرآن کریم کی متعدد آیات کے من مانے "مفاہیم" متعین کیئے۔

جو نہ تو عربی زبان کے قواعد کے مطابق تھے، نہ عقل عام پر پورا اُترتے تھے۔

خالص قرآن پیش کرنے میں اگر ہمارے سابقین نے "سہو" کیئے اور اپنے عقائد کو قرآن کریم پر حاوی رکھا، تو بلکل اس ہی طرح کئی ایک مقامات پر پرویز علیہ رحمہ بھی اس ہی کوتاہی اور سہو کے مرتکب ہوئے۔

سورہ قمر کی ابتدائی آیات کا مفہوم، پرویز علیہ رحمہ نے اس طرح متعین کیا۔

وہ انقلاب کی گھڑی (جس کے متعلق ان سے اتنی مدت سے کہا جارہا تھا) بلکل قریب آپہنچی ہے۔ اب ان مخالفین عرب کی قوت وشوکت ختم ہو جائے گی۔ اور ان کا پرچم (جس پر قمر کا نشان ہے) ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ اس آنے والے انقلاب کی کئی ایک علامات ان کے سامنے آچکی ہیں۔

لیکن ان کی سر کشی اور مدہوشی کا یہ عالم ہے کہ یہ اس پر سنجیدگی سے غور ہی نہیں کرتے۔ بلکہ الٹے منہ پھیر کے چل دیتے ہیں۔ اور کہہ دیتے ہیں کہ یہ سب وہ ہی جھوٹے افسانے ہیں جنہیں ہم ایک عرصہ سے سنتے چلے آرہے ہیں۔

مفہوم القرآن از علامہ پرویز علیہ رحمہ

مفہوم بالا پر بات کرنے سے قبل اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ سورہ القمر، مکی سورہ ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا 13 سالہ مکی دور، انتہائی کسمپرسی اور مصائب و آلام کا دور تھا۔ اس وقت اس سورہ کا نزول ہوا۔

آیت مبارکہ کے ابتدائی الفاظ اس طرح ہیں۔ ارشاد ہوا

اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانشَقَّ الْقَمَرُ [:]وَإِن يَرَوْا آيَةً يُعْرِضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ [٥٤:٢]

قیامت کی گھڑی قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا، مگر اِن لوگوں کا حال یہ ہے کہ خواہ کوئی نشانی دیکھ لیں منہ موڑ جاتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو چلتا ہوا جادو ہے [ابوالاعلی مودودی]

عربی زبان کا ادنیٰ سا طالب علم، آیت مبارکہ کے ابتدائی الفاظ کو دیکھ کر بتا سکتا ہے کہ یہ تو "فعل ماضی" کا صیغہ ہے۔ کوئی ایسا عمل جو "ہو چکا" ہے۔ آیت بالا میں " السَّاعَةُ "اور" الْقَمَرُ "اسم مرفوع ہیں۔ جب کہ " اقْتَرَبَتِ"اور"انشَقَّ" فعل ماضی ہیں۔ اس کے معنی " قریب آگئی اور پھٹ گیا"ہوتا ہے۔ ایک ایسا عمل جو ہو چکا ہے۔ گزر چکا ہے۔ ماضی کی بات ہے۔

اس کے معنی "پھٹ جائے گا" عربی زبان کے کسی قاعدہ کی رو سے درست نہیں ہے۔

سب سے پہلے تو اس بات پر غور کریں کہ آیت مبارکہ میں کوئی ایک لفظ بھی ایسا نہیں، جس میں کہا گیا ہو کہ جو کچھ ہوا ہے، وہ نبی اکرم ﷺ کے ذریعے، ان کی انگلی کے اشارے سے ہوا ہے۔

ایک واقعہ ہے جس کے ظہور کا بیان ہے کہ ایسا ہوا۔

چنانچہ ہمارے وہ علماء جو اس آیت سے "شق القمر" کا ایسا معجزہ لیتے ہیں، جو نبی اکرم ﷺ کی انگلی سے وقوع پذیر ہوا، قرآن کریم ان کے اس عقیدہ کی توثیق نہیں کرتا۔

اب اس مشکل کا کیا کریں، کہ کوئی بڑا آدمی، کوئی علامہ، کوئی مولانا، کوئی دانشور اپنے اس عجز کا اعتراف کر لے کہ جناب یہ آیت میری فہم سے بالا ہے میں اس آیت کو نہیں سمجھ پا رہا۔

اس کے لئے تو بڑا حوصلہ چاہیئے۔

اس ہی مشکل کا شکار، پرویز علیہ رحمہ بھی نظر آتے ہیں۔

آیت صاف بتا رہی ہے کہ کوئی ایک خاص واقعہ ہے، جو وقوع پذیر ہو چکا ہے۔

اب اگر پرویز علیہ رحمہ اس "ہو چکا" کو مان لیتے، تو ان کی دانست میں " شق القمر " کے معجزے کا جواز پیدا ہو جاتا۔

جو اصولی طور پر غیر قرآنی عقیدہ ہے۔

اب ہونا تو یہ چاہیئے تھا، کہ پرویز علیہ رحمہ اس آیت کے مفہوم کے تعین میں کہتے کہ۔۔۔۔۔۔

"کوئی خاص واقعہ ہوا تھا، جس کی طرف اشارہ ہے"

اس بات کو واضح کر دیتے کہ بہر حال جو واقعہ بھی اس آیت میں مذکور ہے، اس کا نبی اکرم ﷺ سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن اس طرح کا مفہوم بیان کرنے کا مطلب تو ایک طرح کا اعتراف ہی تھا کہ پرویز علیہ رحمہ بھی اس آیت کو نہیں سمجھ سکے۔ اب اتنا حوصلہ کوئی کہاں سے لائے۔

چنانچہ "قمر" کے معنی کفار کا جھنڈا کر دیا گیا اور "شق" سے آنے والے دور میں کفار کی شکست کی پیشگوئی۔

قارئین محترم!!!

یہ بہت مشکل مرحلہ ہے۔ اپنے کسی ایسے بزرگ کے "سہو" کا بیان، جسے آپ استاد بھی مانتے ہوں، اس سے بے پناہ پیار بھی کرتے ہوں۔ اس کی فکر کے غالب حصہ سے متفق بھی ہوں۔

اس بڑی ہستی کے فہم دین کے کسی مخصوص حصہ سے اختلاف، آسان بات نہیں ہے۔

لیکن کیا کریں۔

کہتا ہوں وہ ہی بات سمجھتا ہوں جسے حق

نہ ابلہ مسجد ہوں، نہ تہذیب کا فرزند

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں، بے گانے بھی ناخوش

میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

بہر حال، آیت مذکورہ دور نزول قرآن میں، کسی ایسے واقعہ کا ذکر کر رہی ہے، جس کا تعلق چاند سے ہے۔ شعور کی موجودہ سطح پر میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت چاند پر کیا ہوا تھا۔ ہاں یقین سے ایک بات کہہ سکتا ہوں کہ جو کچھ ہوا تھا، وہ فطرت کے لگے بندھے اصولوں کے تحت ہی ہوا تھا، اس میں نبی اکرم ﷺ کے کسی معجزے کا کوئی دخل نہیں۔

گردش لیل و نہار کا عمل انتہائی نظم و ضبط کے ساتھ چل رہا ہے، اس میں بہت سی نئی چیزیں بن رہی ہیں، بہت سی بگڑ رہی ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ سورج پر دھماکے ہوتے رہتے ہیں، مختلف اجرام فلکی پر بھی تعمیر و تخریب کا عمل جاری و ساری ہے۔

ظاہر ہے کہ کائنات میں تعمیر و تخریب کا یہ عمل آج سے تو نہیں ہے، یہ تو تخلیق کائنات کے دن سے جاری ہے۔

ہم نہیں کہہ سکتے کہ دور نبوی ﷺ، میں چاند پر کون سا ایسا واقعہ ہوا تھا، جسے قرآن کریم بیان کر رہا ہے البتہ یہ طے ہے کہ یہ واقعہ انسانی نظروں سے دیکھا گیا تھا، جب ہی تو ان کفار کی توجہ اس جانب مبذول کروائی جا رہی ہے۔

آج جب انسان چاند پر جا پہنچا ہے۔ اس پر تحقیق کر رہا ہے۔ ناسا کے حوالے سے بہت ساری معلومات عموماً اخبارات و رسائل کی زینت بنتی رہتی ہیں۔ ان میں اس طرح کی باتیں بھی بیان ہوتی ہیں کہ چاند پر کچھ ایسی دڑاڑیں موجود ہیں، جس سے پتہ چلتا ہے کہ چاند پر کسی وقت ایک خاص قسم کا تخریبی عمل ہوا تھا۔ جس کے نتیجہ میں یہ دڑاڑیں وجود میں آئیں۔

جس طرح ہماری زمین پر زلزلے آتے ہیں۔ ممکن ہے کہ دور نبوی ﷺ میں، چاند پر اس طرح کا کوئی شدید زلزلہ برپا ہوا ہو، جس کے نتیجہ میں انسانوں نے چاند کو پھٹتا ہوا محسوس کیا ہو۔ ممکن ہے کہ دور نبوی ﷺ میں، کوئی شہابیہ، چاند کی سطح سے ٹکرایا ہو۔ جسے اس دور کے انسانوں نے محسوس کیا ہو۔

بہر حال، ایک بات اٹل ہے کہ اس واقعہ میں نبی اکرم ﷺ کا کوئی کردار، قرآن کریم بیان نہیں کرتا۔

حرف آخر

قرآن کریم اللہ رب العزت کا کلام ہے۔ اس کا آخری پیغام ہے۔ ایسا پیغام جس نے اس آخری انسان کی راہنمائی کا فریضہ بھی ادا کرنا ہے، جو شاید لاکھوں سال کے بعد پیدا ہو گا۔ اللہ کریم نے اپنی اس ہدایت کی حفاظت کا ذمہ بھی خود ہی اُٹھایا ہوا ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ اس ضمن میں اس نے کون سا لائحہ عمل اختیار کیا ہوا ہے۔

انسان ایک ارتقاء پذیر، جاندار ہے۔ انسانی فہم و شعور وقت کے ساتھ ساتھ ترقی پذیر ہے۔ آج کا انسان، کل کے انسان سے کہیں زیادہ عاقل و فہیم ہے۔ اس ہی طرح ہمارے بعد آنے والے انسان ہم سے کہیں زیادہ فہم و فراست کے مالک ہونگے۔

آج کی دنیا علوم و فنون کی دنیا ہے۔ سائنس کی دنیا ہے روزانہ نت نئے "معجزے" رونما ہو رہے ہیں۔ آج ہمارے دور کی ایجاد "کمپیوٹر" اور "انٹرنیٹ" آج سے ایک صدی قبل کے انسان کے لئے کسی "معجزہ" سے کم نہیں۔

آنے والی چند صدیوں میں کیا کچھ ہو گا، شعور کی موجودہ سطح پر ہم اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔

یہ ہی صورتحال، کتاب اللہ کی ہے۔ دور نزول قرآن سے لے کر آج تک، انسانوں نے اس کتاب عظیم کو اپنی فہم و فراست اور عقل و شعور کے مطابق سمجھنے کی کوشش کی۔ سمجھنے اور سیکھنے کے اس عمل میں اس نے کہیں درست راہ پالی، تو کہیں اس سے سہو سرزد ہوئے۔

آج اپنے دور میں ہم بھی اپنی فہم اپنے شعور کے مطابق، اس کتاب عظیم کو سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہم بھی کہیں درست ہونگے تو کہیں ہم سے بھی غلطیاں سرزد ہوں گی۔

آنے والے دور کے زیادہ عاقل و فہیم لوگ اس کتاب عظیم کو اپنی فہم اپنے شعور کی بنیاد پر ہم سے زیادہ بہتر طور پر سمجھیں گے۔

کسی ایک مخصوص دور کا انسان اس بات کا کماحقہ دعوے دار نہیں ہو سکتا کہ اس نے کتاب اللہ کو مکمل طور پر سمجھ لیا ہے۔ کسی ایک دور کے انسان کا فہم قرآن دوسرے دور کے انسان کے لئے حجت نہیں ہو سکتا۔

قرآن کریم کو من و عن سمجھنے کا دعویٰ تو شاید آخری انسان ہی کر سکے گا۔

جس طرح میں نے پہلے بھی عرض کی، کہ قرآنی آیات کے دو حصے ہیں۔

ایک حصہ وہ ہے، جس میں انسانوں کو ان کے اعمال، اور ان کے نتائج کے حوالے سے راہنمائی عطا کی گئی ہے۔

دنیا میں کس طرح رہنا ہے، کیا کرنا ہے، کیا نہیں کرنا۔ اس کی تعلیم ہے۔

کن اعمال کا نتیجہ جنت اور کن اعمال کا نتیجہ جہنم ہے اس کا بیان ہے۔

یہ بیان انتہائی، آسان، سادہ اور فصیح و بلیغ انداز میں ہے۔ اگر انسان اپنے ذہن کو ذاتی خیالات اور رجحانات سے پاک کر کے ان آیات کو سمجھنے کی کوشش کرے، تو کسی غلطی کا احتمال ہی نہیں ہے۔

دوسرا حصہ وہ ہے، جہاں خالق کائنات نے انسانوں کو اس کائنات اور اس کے افعال کے حوالے سے راہنمائی عطا فرمائی ہے گردش لیل و نہار کا مقصد کیا ہے۔ یہ سارا کارگہ حیات کس طرح چل رہا ہے۔ اس کی تعلیم ہے۔

اب ظاہر ہے کہ ایک ایسی شئے جو انسان نے پہلے کبھی دیکھی ہی نہ ہو، ایک ایسی حقیقت جس سے انسان کبھی آشنا ہی نہ ہوا ہو، ایک ایسا راستہ جس سے انسان کبھی گزرا ہی نہ ہو، اسے سمجھانا، کوئی آسان مرحلہ تو نہیں ہوتا۔

خالق کائنات تو اکمل ذات ہے، ہر شئے کو جانتا ہے، اس کی اپنی تخلیق ہے مگر انسانی ذہن تو اپنے اپنے دور کے علمی انکشافات کی حد تک ہی باشعور ہو سکتا ہے۔

آج سے صدیوں پہلے کے انسان کو آج کے حقائق سمجھائے ہی کس طرح جا سکتے تھے؟؟

اس ہی طرح آئندہ آنیوالی صدیوں کے حقائق، آج ہماری سمجھ میں کس طرح آ سکتے ہیں؟؟

ایسے میں اپنی بات تمثیلات، استعارات، تشبیہات کی رو سے ہی سمجھائی جا سکتی ہے۔ مجازی انداز میں ہی اسے بیان کیا جا سکتا ہے۔ یہ ہی کچھ رب العزت نے کیا۔

قرآن کریم ان آیات کو "آیات متشابہات" کہتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

هُوَ الَّذِي أَنزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ ۖ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ ۗ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ ۗ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ [۳:۷]

وہی ہے جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی جس میں سے کچھ آیتیں محکم (یعنی ظاہراً بھی صاف اور واضح معنی رکھنے والی) ہیں وہی (احکام) کتاب کی بنیاد ہیں اور دوسری آیتیں متشابہ (یعنی معنی میں کئی احتمال اور اشتباہ رکھنے والی) ہیں، سو وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے اس میں سے صرف متشابہات کی پیروی کرتے ہیں (فقط) فتنہ پروری کی خواہش کے زیرِ اثر اور اصل مراد کی بجائے من پسند معنی مراد لینے کی غرض سے، اور اس کی اصل مراد کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور علم میں کامل پختگی رکھنے والے کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، ساری (کتاب) ہمارے رب کی طرف سے اتری ہے، اور نصیحت صرف اہلِ دانش کو ہی نصیب ہوتی ہے، [طاہر القادری]

متشابہات کا ہر گز یہ معنی نہیں کہ انہیں سمجھا نہیں جاسکتا۔ ہر دور کا انسان اپنے دور میں دستیاب علوم، تاریخ، سائنسی انکشافات کی روشنی میں ان آیات کا درست مفہوم سمجھے گا۔

کسی ایک دور کی متشابہ آیت، آنے والے دور میں حقیقت بن کر سامنے موجود ہو گی۔

صدیوں پہلے قرآن کہتا تھا کہ۔۔۔۔

ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ [۴۱:۱۱]

پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جو اُس وقت محض دھواں تھا اُس نے آسمان اور زمین سے کہا "وجود میں آجاؤ، خواہ تم چاہو یا نہ چاہو" دونوں نے کہا "ہم آ گئے فرمانبرداروں کی طرح" [ابوالاعلیٰ مودودی]

آج ہمارے دور میں، یہ آیت متشابہ کے زمرے سے باہر نکل کر، محکمات کے زمرے میں داخل ہو گئی ہے صدیوں پہلے کے انسانوں کو بھلا کس طرح "بگ بینگ" کے متعلق بتایا جاسکتا تھا۔ اس وقت تو بس یہ ہی مثال دی جاسکتی تھی کہ یہ ساری

کائنات، پہلے ایک دھویں کی مانند تھی۔ اس ہی آیت سے یہ حقیقت بھی بیان ہوتی ہے، کہ ہماری زمین اس نظام شمسی کا حصہ تھی۔

چنانچہ میر انقطہ نظر یہ ہے کہ ہمیں قرآن کریم پر پورے خلوص اور جذبہ کے ساتھ تفکر و تدبر کرنا چاہیئے ۔

جو آیات مبارکہ سمجھ آجائیں، ان پر عمل کرنا چاہیئے۔

ایسی آیات جن کا مفہوم پوری کوشش کے باوجود، ہماری سمجھ میں نہ آئے، ان کے حوالے سے اپنے عجز کا اقرار کرنا چاہیئے کسی طرح کے دیومالائی مفاہیم کے تعین سے زیادہ بہتر ہے کہ ہم اپنی عقل، اپنی فہم کی کجی اور کمزوری کا اعتراف کریں۔

اس کے ساتھ ساتھ، ان آیات پر غور و فکر جاری رکھیں۔ اگر اپنی زندگی میں ہم ان آیات مبارکہ کو سمجھ لیں، تو بہتر ورنہ خداوند رحیم و کریم نے ہم سے کوشش مانگی ہے، اس کے نتائج نہیں۔

جب ہم اپنے رب کے حضور پیش ہوں، تو اس اطمینان کے ساتھ کہ ہم نے اپنی پوری کوشش کی تھی۔

ہمارے بعد آنے والے زیادہ ذہین و فہیم، زیادہ عاقل و بالغ انسان، ان آیات کو ہم سے زیادہ بہتر طور پر سمجھیں گے، اور ان "متشابہات" کو "محکمات" میں بدلتے ہوئے بھی دیکھیں گے۔

رب کریم کے حضور دست بہ دعا ہوں کہ۔۔۔۔۔۔۔۔

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي [:۰] وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي [:۰] وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي [:۰] يَفْقَهُوا قَوْلِي [۲۰:۲۸]

عرض کیا: اے میرے رب! میرے لئے میرا سینہ کشادہ فرمادے، اور میرا کارِ، میرے لئے آسان فرمادے، اور میری زبان کی گرہ کھول دے، کہ لوگ میری بات (آسانی سے) سمجھ سکیں۔

سلامت رہیں